ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.3 (2026)
(July to September)

# غلام عباس کے منتخب افسانوں میں سماجی شعور اور حقیقت نگاری: تجزیاتی مطالعہ

# Social Consciousness and Realism in Ghulam Abbas's Short Story Collections: A Critical Study

**ثوبیہ عمر**
لیکچرار، شعبۂ اُردو، عسکریہ اسکول اینڈ کالج، گلزارِ قائد، راولپنڈی
**ڈاکٹر ارشاد بیگم**
شعبۂ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Sobia Umar
Lecturer, Department of Urdu, Askaria School and College, Gulzar-E-Quaid, Rawalpindi
Dr. Irshad Begum
Urdu Department, National University of Modern Languages, Islamabad

**Abstract:** Ghulam Abbas is widely acknowledged as a preeminent figure in Urdu fiction whose literary oeuvre demonstrates an acute awareness of human condition and socio-economic dynamics. This paper offers a critical critique of social consciousness and realism across his three seminal short story collections: Anandi, Jaray Ki Chandni, and Kan Ras. Utilizing a qualitative analytical framework, this research explores how Abbas skillfully delineates systemic inequality, class stratification, material deprivation, and moral ambivalence inherent in everyday life. The analysis reveals that Abbas articulates reality through a remarkably balanced artistic lens, meticulously avoiding rhetoric, sensationalism, or overt ideological didacticism. His character's act as authentic archetypes of their socio-historical milieu, embodying the psychological and existential dilemmas of contemporary society. Furthermore, the study establishes that realism in Abbas's narrative world transcends mere physical depiction, penetrating the nuanced dimensions of collective behavior and human psyche. Consequently, his fiction retains enduring relevance due to its profound insight into universal human experience.

**Key words:** Ghulam Abbas, Urdu Fiction, Social Consciousness, Realism, Short Stories, Society, Human Behaviour

غلام عباس کا شمار اُردو افسانے کے ان صاحبِ طرز فنکاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے زیست کی سچائیوں اور انسانی رویوں کا نہایت گہرائی سے مشاہدہ کر کے انہیں تخلیقی قالب میں ڈھالا ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں ان کے تین نامور افسانوی مجموعوں 'آنندی'، 'جاڑے کی چاندنی' اور 'کن رس' کی روشنی میں ان کی اجتماعی بصیرت اور حقیقت پسندانہ اسلوب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادہ مدعا یہ واضح کرنا ہے کہ غلام عباس نے اپنے افسانوی بیانیے میں معاشرتی ناہمواریوں، طبقاتی تصادم، معاشی عسرت، اخلاقی تضادات اور عام انسان کی روزمرہ کشمکش کو کس طرح فنکارانہ توازن کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تحقیقی و تجزیاتی منہاج کے ذریعے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ان کا فن صرف ظاہری و خارجی واقعات کی سطحی عکاسی تک محدود نہیں، بلکہ وہ فرد کی داخلیت، اجتماعی نفسیات اور معاشرتی رویوں کی گہری فکری ترجمانی بھی کرتا ہے۔ ان کے تخلیق کردہ کردار اپنے عہد کے گوناگوں سماجی اور نفسیاتی مسائل کے سچے نمائندے

بن کر ابھرتے ہیں۔ اپنے افسانوں میں سماجی ناہمواریوں، طبقاتی تفریق، معاشی مشکلات، اخلاقی تضادات اور عام انسان کی جدوجہد کو بہترین اسلوب میں جگہ دی ہے۔ علمی و تنقیدی تجزیے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ غلام عباس کا تخلیقی فن محض ظاہری و خارجی واقعات کی عکاسی تک محدود نہیں، بلکہ وہ انسانی نفسیات، سماجی رویوں اور معاشی شعور کی گہری ترجمانی بھی کرتا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار مختلف معاشرتی طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں اور اپنے عہد کے مسائل کو موثر انداز میں سامنے لاتے ہیں۔ اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ غلام عباس حقیقت نگاری اور سماجی شعور کے ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے افسانے آج بھی اپنی معنویت اور اثر انگیزی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اُردو افسانے کی روایت میں غلام عباس کی اہمیت صرف اس وجہ سے نہیں کہ اُنھوں نے معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا، بلکہ اس لیے بھی کہ اُنھوں نے زندگی کے عام اور بظاہر غیر اہم دکھائی دینے والے پہلوؤں میں پوشیدہ معنویت کو دریافت کیا۔ ان کے ہاں سماج کسی جامد منظر نامے کی صورت میں موجود نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک حقیقت کے طور پر سامنے آتا ہے جس میں فرد مسلسل اپنے ماحول، حالات اور اقدار سے اثر قبول کرتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے محض اتفاقی تسلسل پر قائم نہیں بلکہ انسانی اور معاشرتی تجربے کی گہری تفہیم سے عبارت ہیں۔

غلام عباس نے انسانی زندگی کو نہ تو مثالی رنگ میں پیش کیا اور نہ ہی اسے مکمل تاریکی کی تصویر بنا کر دکھایا۔ ان کی نگاہ زندگی کے ان درمیانی علاقوں تک پہنچتی ہے جہاں خیر و شر، امید و مایوسی اور خواہش و محرومی ایک دوسرے میں مدغم دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا قاری محسوس کرتا ہے کہ مصنف کسی خارجی ناظر کی حیثیت سے نہیں بلکہ زندگی کے ایک باخبر شریکِ سفر کی صورت میں گفتگو کر رہا ہے۔ یہی قربت ان کے فن کو انسانی سطح پر مؤثر بناتی ہے۔ ان کے افسانوں میں سماجی شعور کا تصور بھی محض معاشرتی خرابیوں کی فہرست پیش کرنے تک محدود نہیں۔ وہ سماجی رویوں کے پس منظر میں موجود نفسیاتی اور تہذیبی عوامل کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشرہ صرف افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ اقدار، تصورات، خواہشات اور اجتماعی تجربات کا ایک پیچیدہ نظام ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی کردار کی ناکامی، محرومی یا کشمکش کو بیان کرتے ہیں تو درحقیقت اس پورے معاشرتی ڈھانچے کو بھی زیرِ بحث لا رہے ہوتے ہیں جس نے اس صورتِ حال کو جنم دیا ہے۔ غلام عباس کے افسانوی شعور میں مشاہدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ زندگی کے معمولی مناظر سے بڑے معنی اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں بظاہر ایک عام واقعہ یا روزمرہ کی ایک چھوٹی سی صورتِ حال بھی وسیع سماجی تناظر اختیار کر لیتی ہے۔ یہی فنی بصیرت ان کے افسانوں کو محض بیانیہ ادب نہیں رہنے دیتی بلکہ انہیں فکری اور تہذیبی مطالعے کا حصہ بنا دیتی ہے۔ ان کی تخلیقات میں قاری کو معاشرے کی ظاہری ساخت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر کارفرما قوتوں کا بھی احساس ہوتا ہے۔

اُردو افسانہ بیسویں صدی کی وہ ادبی صنف ہے جس نے انسانی زندگی کے بدلتے ہوئے رویوں، معاشرتی پیچیدگیوں اور تہذیبی تبدیلیوں کو نہایت مؤثر انداز میں اپنے دائرۂ اظہار میں سمویا۔ اگرچہ اُردو افسانے کی تشکیل میں مغربی افسانوی روایت کے اثرات نمایاں ہیں، تاہم اُردو افسانہ نگاروں نے اسے محض ایک مستعار صنف کے طور پر قبول نہیں کیا بلکہ اپنے معاشرتی اور تہذیبی تجربات سے ہم آہنگ کر کے ایک منفرد ادبی روایت کی صورت دی۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو افسانہ اپنے آغاز ہی سے انسانی زندگی کے حقیقی مسائل، سماجی تضادات اور نفسیاتی الجھنوں کی ترجمانی کا مؤثر ذریعہ بنتا چلا گیا۔ "انسانی زندگی ہمیشہ ادب کا بنیادی موضوع رہی ہے۔ بیسویں صدی کے سماجی بحرانوں اور بدلتے ہوئے حالات نے افسانے کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ افسانہ اپنی اختصار، سماجی اور مؤثر اندازِ بیان کے باعث جلد مقبول ہوا اور قاری کے لیے ایک دلکش صنفِ ادب بن گیا۔ انگریزی میں اسے Short Story کہا جاتا ہے۔ جو کم الفاظ میں گہرے انسانی تجربات اور زندگی کی حقیقتوں کو پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔" اُردو ادب میں مختصر افسانے کی صنف انسانی تجربات

اور زندگی کی گوناگوں حقیقتوں کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے۔ انگریزی زبان میں اسے Short Story کا نام دیا جاتا ہے، جو کم سے کم الفاظ میں گہرے معنی سمیٹنے کا فن ہے بقول۔ ایڈگر ایلن پو:

"افسانہ وہ مختصر کہانی ہے جو آدھے گھنٹے سے لے کر ایک یا دو گھنٹے کے دورانیے میں، یعنی ایک ہی نشست میں مکمل پڑھ لی جائے۔ افسانہ نگار کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پوری توجہ سے کہانی کا پلاٹ اس انداز میں ترتیب دے کہ وہ قاری پر گہرا اثر مرتب کرے اور اس میں سے ہر اس غیر ضروری جزو کو خارج کر دیا جائے جو مرکزی تاثر کو متاثر یا کمزور کر سکتا ہو۔"(۱)

اسی طرح سید وقار عظیم افسانے کے بارے میں یہ نکتہ پیش کرتے ہیں۔ بقول وقار عظیم:

"مختصر افسانہ ایک ایسی مختصر فکری داستان کا نام ہے جس میں کسی ایک خاص کردار، ایک خاص واقعے یا کسی ایک خاص کیفیت کو اس مہارت سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ قاری کے دل و دماغ پر ایک خاص تاثر قائم کرے۔ افسانے کے حالات و واقعات کی تفصیلات اس طرح یکجا ہونی چاہئیں کہ ان کا اپنا جداگانہ تشخص ختم ہو جائے اور وہ سب مل کر افسانے کے مرکزی خیال کو تقویت دیں۔"(۲)

اُردو افسانے کے ارتقاء میں مغربی افسانوی روایت کے اثرات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اُردو افسانہ نگاروں نے اس صنف کو محض مغرب کی نقل کے طور پر نہیں اپنایا۔ اُنھوں نے اپنے معاشرتی، تہذیبی اور فکری تجربات سے ہم آہنگ کر کے اُردو کی ایک منفرد ادبی صنف کی شکل دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو افسانے میں زندگی کے مسائل، معاشرتی تضادات اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں کو بہت گہرائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اُردو افسانے کی ترقی کے اس سفر میں پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، منٹو، بیدی، عصمت چغتائی اور احمد ندیم قاسمی جیسے بڑے ناموں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان سب میں غلام عباس کا مقام ان کی اپنی منفرد خوبیوں کی وجہ سے بہت بلند ہے۔ غلام عباس نے افسانے کو نہ محض اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنایا اور نہ ہی اسے کسی نظریاتی تبلیغ کا وسیلہ بننے دیا۔ ان کا کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے انسانی زندگی کی حقیقتوں کو اس بے لاگ اور سچے انداز میں پیش کیا کہ ان کا فن سماجی شعور اور حقیقت نگاری کا ایک شاہکار بن گیا۔

فنکاروں نے اُردو ادب کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا، تاہم ان تمام افسانہ نگاروں کی صف میں غلام عباس کی حیثیت اپنی منفرد انفرادیت کے باعث الگ اور ممتاز نظر آتی ہے۔ غلام عباس نے اپنے افسانوں کو نہ تو محض اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنایا اور نہ ہی کسی مخصوص نظریاتی تبلیغ کا آلہ کار بننے دیا، بلکہ اُنھوں نے انسانی زندگی کی حقیقتوں کو اس بے لاگ انداز میں پیش کیا کہ ان کا فن سماجی شعور اور حقیقت نگاری کا ایک متوازن اور پائیدار نمونہ بن کر سامنے آیا۔ غلام عباس کے افسانوں کا گہرا مطالعہ یہ سچائی واضح کرتا ہے کہ وہ انسانی وجود کے خارجی اور داخلی دونوں پہلوؤں پر یکساں اور عمیق نظر رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں سماجی بصیرت محض ظاہری معاشرتی مسائل کی نشاندہی تک محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ انسانی رویوں، اخلاقی تضادات، طبقاتی کشمکش اور تہذیبی تبدیلیوں کی فکری اور تنقیدی تفہیم سے عبارت ہے۔ ان کے تخلیق کردہ کردار اپنے مخصوص عہد کی نمائندگی کرنے کے ساتھ ساتھ آفاقی انسانی تجربات کی علامت بھی بن جاتے ہیں۔ یہی بنیادی سبب ہے کہ ان کے افسانے اپنے اندر ایک عالمگیر معنویت اور دائمی اثر انگیزی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ غلام عباس کی حقیقت نگاری کو صرف خارجی واقعات کی سطحی عکاسی تک محدود رکھنا ان کی فنکارانہ عظمت کو نادیدہ سمجھنے کے مترادف

ہو گا۔ ان کے ہاں حقیقت پسندی ایک ایسے فکری رویے کی حیثیت رکھتی ہے جو انسانی زندگی کو اس کی اصل اور غیر جانبدارانہ صورت میں سمجھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ وہ واقعات کو محض سناتے نہیں، بلکہ ان کے پسِ منظر میں موجود انسانی اور معاشرتی معنویت کو بھی پوری طرح نکھار کر سامنے لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات میں حقیقت نگاری اور سماجی بصیرت ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں بلکہ مکمل طور پر باہم مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

ان کے اسلوبِ حقیقت نگاری کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ وہ انسانی زیست کے پوشیدہ تضادات اور الجھنوں کو نمایاں کرتا ہے۔ بسا اوقات وہ ایسے معمولی اور عام کرداروں کو تخلیقی منظرنامے پر لاتے ہیں جو بظاہر بالکل عام دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کے تجربات، احساسات اور داخلی کشمکش ایک وسیع انسانی سچائی کی نمائندگی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طریقہ کار کے ذریعے فرد کا ذاتی تجربہ پوری اجتماعیت کے تجربے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور افسانہ ایک وسیع تر معنوی اور فکری دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ غلام عباس کے افسانوں میں حقیقت محض نظر آنے والی اشیاء یا واقعات کا نام نہیں، بلکہ وہ حقیقت کی ایک نئی دریافت کا نام ہے۔ وہ زندگی کے ان باریک گوشوں کو بھی اپنا موضوع بناتے ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں خارجی حالات کے ساتھ ساتھ انسانی باطن کی کیفیات بھی غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ ان کے کردار اپنے اعمال کی بجائے اپنی داخلی کشمکش، نفسیاتی الجھنوں اور جذباتی رو کے باعث زیادہ یاد رکھے جاتے ہیں، اور یہی عنصر ان کی حقیقت نگاری کو فکری گہرائی عطا کرتا ہے۔

ان کے ہاں حقیقت نگاری کسی مخصوص نظریاتی یا سیاسی نعرے کی پابند نہیں، بلکہ وہ انسانی تجربے کی وسعت سے جڑی ہوئی ہے۔ وہ نہ تو زندگی کو محض مایوسی، قنوطیت اور تاریکی کی علامت بناتے ہیں اور نہ ہی غیر حقیقی امیدوں کا سہارا لیتے ہیں، بلکہ ان کا فنکارانہ رویہ اعتدال، توازن، اور عمیق مشاہدے پر قائم ہے۔ اسی لیے ان کے افسانے قاری کو جذباتی طور پر متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ فکری اور تحلیلی سطح پر بھی بیدار اور متحرک کرتے ہیں۔ غلام عباس کے منتخب افسانوی مجموعے 'آنندی'، 'جاڑے کی چاندنی' اور 'کن رس' اُردو افسانے کی تاریخ میں خصوصی اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مجموعوں میں شامل افسانے نہ صرف اپنے عہد کی معاشرتی صورتِ حال اور معاشی ناہمواریوں کی عکاسی کرتے ہیں، بلکہ انسانی نفسیات، طبقاتی رویوں اور سماجی تضادات کی ایسی سچی تصویر پیش کرتے ہیں جو ہر دور کے قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ان افسانوں کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ: "ان افسانوں میں حقیقت نگاری صرف ظاہری واقعات کی تصویری کشی تک محدود نہیں، بلکہ انسانی فکر، احساسات، جذبات اور سماجی رویوں کی گہری عکاسی بھی کرتی ہے۔"

زیرِ اقتباس تحقیق کا بنیادی مقصد غلام عباس کے ان منتخب افسانوی مجموعوں میں موجود سماجی شعور اور حقیقت نگاری کے مختلف عناصر کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ کرنا ہے، تاکہ یہ حقیقت روشن ہو سکے کہ غلام عباس نے معاشرتی سچائیوں کو کس فنکارانہ بصیرت اور اعلیٰ تخلیقی مہارت کے ساتھ افسانوی پیکر عطا کیا۔ افسانہ ہر دور میں سماجی حقائق اور انسانی مسائل کا عکاس رہا ہے۔ اس طرح افسانہ نگاروں نے ۱۹۳۲ء میں 'انگارے' کی اشاعت کے بعد اُردو افسانے کو ایک نئی سمت دی اور معاشرے میں موجود ناانصافیوں اور طبقاتی ناہمواریوں کو موضوعِ بحث بنایا۔ ان افسانوں نے سماجی عدمِ توازن، مزدور طبقے کی کشمکش اور عام آدمی کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا، جو کہ حقیقت کے بہت قریب تھے، یعنی یہی اس کی اہم حقیقت نگارانہ خوبی ہے۔ بقول شہزاد منظر:

"فنی اعتبار سے غلام عباس نے زندگی کی ایک چھوٹی سی کاوش کو موضوع بنانے کے بجائے زندگی کے وسیع تر اجتماعی احساس کو افسانے میں سمونے کی کوشش کی ہے۔"(۳)

اُردو افسانوی ادب کی تاریخ پر جب ہم تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں تو غلام عباس (۱۹۰۹ء–۱۹۸۲ء) کی شخصیت اور ان کا تخلیقی سفر ایک نمایاں اور مرجعِ خلائق فنکار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ بطور محقق میرا تجزیہ یہ ہے کہ ان کا تخلیقی قد کاٹھ صرف اس بات میں مضمر نہیں کہ اُنھوں نے 'آنندی'، 'جاڑے کی چاندنی' اور 'کن رس' جیسے معرکہ الآرا افسانوی مجموعے تخلیق کیے، بلکہ ان کی اصل قابلیت ان کے اس مخصوص زاویۂ نظر میں ہے جس کے تحت اُنھوں نے ادب میں حقیقت نگاری کو ایک نئی جہت عطا کی۔ ان کے افسانوں کا بغور مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اُنھوں نے معاشرتی زندگی کی محض ظاہری سطحیات کو رقم کرنے کے بجائے، طبقاتی تضادات، معاشی عسرت اور فرد کے باطنی تذبذب کو نہایت باریک بینی کے ساتھ اپنے بیانیے میں سمویا ہے۔

غلام عباس کے فن کی سب سے بڑی انفرادیت یہ ہے کہ وہ کسی تحریکی نعرے یا مصنوعی جذباتیت کا سہارا لیے بغیر، زندگی کے بظاہر عام اور معمولی واقعات سے انتہائی گہرے انسانی و اجتماعی نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ان کی افسانوی دنیا میں قاری کو معاشرتی جبر، اخلاقی انحطاط اور انسانی نفسیات کا جو حقیقت پسندانہ امتزاج ملتا ہے، وہ ان کی عمیق فکری بصیرت کا بین ثبوت ہے۔ ان کی انہی دائرۃ المعارف ادبی خدمات اور منفرد افسانوی اسلوب کے اعتراف میں ۱۹۶۷ء میں حکومتِ پاکستان نے انہیں 'ستارۂ امتیاز' سے سرفراز کیا۔ غلام عباس کا ادب میں مقام اس لیے بھی مسلمہ اور آفاقی ہے کہ ان کا پیش کردہ سماجی شعور اور حقیقت پسندانہ مشاہدہ محض اپنے عہد تک محدود نہیں رہا، بلکہ آج بھی انسانی رویوں اور معاشرتی ساخت کو سمجھنے کے لیے ایک مضبوط اور معتبر فکری بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اُردو افسانے کی تاریخ میں غلام عباس کی شخصیت اور قابلیت پیہ ہے کہ وہ ایک کثیر الجہت مطالعہ رکھنے والے فنکار تھے۔ ان کی فکری وسعت صرف افسانے اور داستانوی ادب تک محدود نہ تھی، بلکہ اُنھوں نے شاعری، تنقیدی مضامین، نفسیات اور جنسیت جیسے پیچیدہ موضوعات کا بھی عمیق مطالعہ کر رکھا تھا۔ ان کی ہمہ گیر علمی قابلیت کا یہ پہلو خاص طور پر اہم ہے کہ اُنھوں نے اُردو ادب میں افسانوی صنف کو اولیت دی اور انسان کی داخلی و نفسیاتی الجھنوں کو اپنے بیانیے کا محور بنایا۔ ادب کے علاوہ ان کے ذوقِ لطیف، بالخصوص موسیقی سے گہرے لگاؤ نے ان کے اسلوب کو ایک خاص رچاؤ عطا کیا۔ ان کی صحافتی صلاحیت کا ثبوت یہ ہے کہ اُنھوں نے "تھنک" اور بچوں کے نامور "ماہنامہ پھول" جیسے معیاری پرچوں کی کامران ادارت کی۔ بطور محقق میرا یہ ماننا ہے کہ اتنی وسیع قابلیت اور علمی اثر و رسوخ کے باوجود اُنھوں نے ہمیشہ خود کو کسی خاص ادبی تحریکی یا سیاسی گروہ بندی سے الگ رکھا، جو ان کے آزادانہ فکری روئے اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا بین ثبوت ہے۔ ان کی اس آزاد فکری کا اعتراف خود ان کے اس قول سے بھی ہوتا ہے: غلام عباس رقم طراز ہیں:

"میں نے اپنے آپ کو ترقی پسند تحریک کا ادیب کہلوانا پسند نہیں کیا، لیکن یہ سچ ہے کہ اس تحریک نے سب کی افسانہ نگاری پر اثر ڈالا ہے۔"(۴)

غلام عباس کے خاندانی پس منظر، عسرت اور ابتدائی دورِ حیات کی محنت مزدوری کا جب ناقدانہ جائزہ لیا جاتا ہے، تو یہ بات مزید روشن ہوتی ہے کہ ان کا مشاہدہ کتنا حقیقت پسندانہ تھا۔ اُنھوں نے کم عمری ہی سے زندگی کے سرد و گرم کو قریب سے دیکھا اور نچلے طبقات کے دکھوں کو بلا واسطہ محسوس کیا کہ یہی عمیق مشاہدہ ان کی حقیقت نگاری کا بنیادی سرچشمہ بنا، جس نے انہیں اپنے عہد کے

ادیبوں میں ایک منفرد اور معتبر مقام عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی فکر کسی بھی وقتی تحریک سے بالاتر ہو کر آفاقی حقیقت نگاری سے ہم آہنگ رہی۔ ان کے اس جامع سماجی مشاہدے اور افسانوی قابلیت کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی رقمطراز ہیں:

"غلام عباس نے مسائلی افسانے بھی لکھے بلکہ ان انسانی صورتوں کی کہانیاں لکھیں جو آفاقی اور ابدی ہیں۔ اسی لیے ان کے افسانے وقت کے ساتھ ساتھ اپنی دلچسپی نہیں کھوتے بلکہ اسی طرح تازہ اور زندہ رہتے ہیں۔"(۵)

غلام عباس نے جن موضوعات کا انتخاب کیا، بظاہر معمولی نظر آنے والے واقعات کو اپنی فنکارانہ اور تخلیقی بصیرت سے ایک دائمی معنویت عطا کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی ان کا ادب جدید قاری کے لیے فکری کشش اور عصری معنویت رکھتا ہے۔ وہ بغیر کسی نعرے یا مصنوعی جذباتیت کے، معاشرتی حقیقتوں کا ایسا غیر جانبدارانہ اور بے لاگ تجزیہ پیش کرتے ہیں جو قاری کو خود سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان کے اسی منفرد اسلوبِ حقیقت نگاری اور متوسط و نچلے طبقے کی ترجمانی اور افسانوں کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"غلام عباس کے افسانے زیادہ تر متوسط اور نچلے طبقے کی عکاسی کرتے ہیں۔"(۶)

غلام عباس کے افسانوں میں موجود سماجی شعور محض معاشرتی خرابیوں کی گنتی نہیں کرواتا، بلکہ وہ انسانی رویوں، نفسیاتی کشمکش اور تہذیبی تضادات کو فنکارانہ پیرائے میں ڈھالتا ہے۔ اُنھوں نے احتجاجی یا جذباتی انداز کے بجائے ایک متوازن، سنجیدہ اور تحلیلی اسلوب اپنایا۔ ان کا یہ رویہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے ہاں معاشرہ محض افراد کا اجتماع نہیں بلکہ ایک ایسا زندہ تہذیبی ماحول ہے جس میں انسان کا ہر معمولی فعل بھی ایک وسیع تر معنوی اور سماجی حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔ کردار اپنے فیصلے خود کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو ان کے پسِ منظر میں ایک پورا سماجی نظام اور تہذیبی پس منظر متحرک نظر آتا ہے۔ یہی نقطۂ نظر غلام عباس کے فن کو محض فرد کے شخصی تجربے سے بلند کر کے ایک باہم مربوط اجتماعی تجربے کی سطح پر قائم کر دیتا ہے۔ ان کے افسانوی شعور کی ایک بنیادی جہت یہ بھی ہے کہ وہ انسانی زندگی کو کوئی جامد یا غیر متحرک تصور نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک معاشرہ اور انسان مسلسل ارتقائی عمل سے گزرتے ہیں اور حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنی شناخت کی تشکیلِ نو بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے کہانیوں کے کردار کسی ایک کیفیت یا رویے میں منجمد نہیں رہتے بلکہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے ہیں اور نئے تجربات سے نبرد آزما ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرزِ فکر سے ان کے افسانوں میں زندگی کی حرکیت، تسلسل اور ارتقاء کا ایک مضبوط احساس پیدا ہوتا ہے۔

غلام عباس کے ہاں سماجی شعور کا اظہار بلند آہنگ نعروں یا سیاسی خطابت کے ذریعے سامنے نہیں آتا، بلکہ وہ انسانی زندگی کی داخلی سچائیوں کے ذریعے قاری پر آشکار ہوتا ہے۔ وہ معاشرتی ناہمواریوں اور مسائل کو اس قدر شائستہ، بے لاگ اور سچے اسلوب میں بیان کرتے ہیں کہ قاری کو یہ گمان ہوتا ہے جیسے وہ کسی اور کی کہانی پڑھنے کے بجائے اپنے ہی ماحول اور اپنے ہی عہد کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہی فنکارانہ قربت ان کے افسانوں کو ایک دیرپا اثر عطا کرتی ہے جو قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے۔ غلام عباس کے اپنے افسانوں میں معاشرے کے نچلے اور متوسط طبقات کی زندگی کو بنیادی موضوع بنایا۔ وہ ان چند ممتاز افسانہ نگاروں میں شامل ہیں جنھوں نے افسانہ نگاری کو اپنی زندگی کے عملی تجربات اور معاشرتی حقائق کے سچے شعور سے آراستہ کیا۔ اُنھوں نے کسی مخصوص ادبی روایت یا فیشن کی کورانہ تقلید کے بجائے اپنے ذاتی مشاہدے اور گہرے فکری مطالعے کو اپنی کہانیوں کی بنیاد بنایا۔ اُنھوں نے زوال پذیر اخلاقی قدروں اور

معاشی عسرت جیسے تلخ حقائق کے اظہار کے لیے کسی پیچیدہ یا غیر معمولی تکنیکی تجربے پر انحصار نہیں کیا، بلکہ سادہ، عام فہم اور پر اثر اندازِ بیان کو ترجیح دی۔ ان کا یہی بنیادی حقیقت پسندانہ اندازِ فکر ان کے فن کو معتبر بناتا ہے، جیسا کہ شہزاد منظر رقم طراز ہیں:

"غلام عباس بنیادی طور پر حقیقت نگار تھے اس لیے اُنھوں نے زندگی بھر
حقیقت نگاری کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور معاشرے میں جو
برائیاں اور اچھائیاں دیکھیں انہیں ہو بہو پیش کرنے پر اکتفا کیا۔"(۷)

اسی تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے اگر غلام عباس کے فن کا مزید باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت مزید روشن ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی محض سطحی عکاسی پر قانع نہیں تھے بلکہ انسانی نفسیات کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ ان کا فن قاری کو مظاہر سے ہٹا کر حقیقت کی اصل روح تک لے جاتا ہے۔ بقول انور سدید:

"وہ زندگی کی حقیقت اور اس کی معروضی سطح کو اپنے حبطہ فن میں لانے کے لیے
کرداروں کے بطون میں اترتے ہیں اور ان کی سیرت کے چھپے ہوئے گوشوں کو
دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"(۸)

اس کے نتیجے میں ان کے افسانے کسی عارضی یا وقتی تاثر تک محدود نہیں رہتے، بلکہ اپنی گہری فکری معنویت کے باعث دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں عام انسان اور اس سے وابستہ مسائل مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہیں انسانی زندگی، اس کے بنیادی رویوں اور سماجی ساخت کا گہرا شعور حاصل ہے۔ وہ انسانوں کی کمزوریوں اور خامیوں کو محض اخلاقی تنقید کی نظر سے نہیں دیکھتے، بلکہ ان کے پس منظر میں کارفرما سماجی اور معاشی عوامل کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان فطری طور پر برائی کا راستہ انتخاب نہیں کرتا، بلکہ اکثر اوقات معاشرتی حالات اور معاشی دباؤ اسے ایسے فیصلوں پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں سے نفرت کے بجائے ایک عمیق انسانی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور قاری کو معاشرتی حقیقتوں کو درک کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ کوشش کرتے نظر آتے ہیں کہ انسانی معاشرے ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ فرد سماج کے دھارے سے کٹ کر تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان کے افسانوں کا بغور مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا قلم کسی کی تضحیک کے لیے نہیں بلکہ انسانی وقار کی بحالی کے لیے اٹھتا ہے۔ وہ معاشرتی مسائل، اخلاقی ناہمواریوں اور عام انسان کی مشکلات کو کہانی کا موضوع بناتے ہوئے انسان کے بنیادی احترام کو ہرگز نظر انداز نہیں کرتے۔ ان کے افسانوی اسلوب کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے گہرے فکری ادراک سے زندگی کے بظاہر معمولی واقعاتی پہلوؤں کو کہانی میں اس طرح پروتے ہیں کہ وہ ایک وسیع تر آفاقی سچائی کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہی صفت ان کے فن کو اُردو افسانے کی روایت میں ممتاز بناتی ہے۔ حقیقت نگاری کا یہی رویہ انہیں اپنے ہم عصروں سے الگ کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کا تخلیق کردہ ادب معنویت اور کشش کے اعتبار سے ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں:

"وہ معاشرے میں تصنع، منافقت اور غیر عقلی طرزِ فکر کا کھلا اور غیر مشروط
دشمن ہے۔ جو اپنے افسانوں میں معاشرتی کرداروں کے چہروں پر سے غازے
دھوتا ہے اور روغن کھرچتا ہے، اور ان کے باطن کا کھوکھلا پن دکھاتا ہے۔ اس
طرح وہ صنمیت اور بے معنویت کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور معاشرے میں

انصاف کے لیے، اور انسان کے اندر خیر کی قوتوں کو بیدار کرنے کے لیے پکارتا ہے۔"(۹)

اس فکری اور رویاتی تناظر کو آگے بڑھایا جائے تو یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ غلام عباس کا بنیادی فنکارانہ کمال انسان اور اس کے گرد پیش کے زمانے کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے دکھانا ہے۔ وہ فرد کی کہانی کو پورے سماج کی تاریخ بنا دیتے ہیں، جس کے باعث ان کا تخلیقی کام عارضی تاثر سے بلند ہو کر دوام حاصل کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کہتے ہیں:

"وہ ایک ایسا افسانہ نگار ہے جو زمانے کو اپنے فرد کے گرد طواف کرنے اور اس پر مہرِ دوام ثبت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔"(۱۰)

اُردو افسانے کی تاریخ میں حقیقت نگاری کا جب بھی ذکر آتا ہے تو غلام عباس کا نام اور ان کا شاہکار افسانوی مجموعہ 'آنندی' سرفہرست نظر آتا ہے۔ 'آنندی' میں اُنھوں نے ایک ایسے بنیادی سماجی مسئلے سے کہانی کا آغاز کیا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ نئے نئے روپ دھار کر ابھرتا ہے، اور پھر اسے ایک نئے اور گہرے فکر انگیز موڑ پر لا کر ختم کرتے ہیں۔ افسانے کی ساخت میں آغاز، ارتقاء اور اختتام کا یہ باہمی فنکارانہ ربط جس چابک دستی سے استوار کیا گیا ہے، وہ غلام عباس کے اعلیٰ فنی شعور اور پختگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ غلام عباس کے افسانوں کے کردار محض چند انفرادی اشخاص نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے عہد کے سماجی مزاج، اجتماعی رویوں اور طبقاتی ماحول کے آئینہ دار ہیں۔ اس مقالے میں ان کے منتخب افسانوں کا جو تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے، اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ غلام عباس کا فن کسی ایک مخصوص طبقے، گروہ یا محدود جغرافیائی دائرے کا پابند نہیں ہے۔ اُنھوں نے اپنے افسانوی بیانیے میں انسانی زندگی کی گوناگوں صورتوں، معاشی کشمکش اور نفسیاتی الجھنوں کو آفاقی معنویت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار اپنے انفرادی وجود سے آگے بڑھ کر وسیع تر سماجی حقیقتوں کے ترجمان بن جاتے ہیں اور آج کا قاری بھی ان کی کہانیوں میں اپنے اردگرد کے ماحول کی عکاسی دیکھتا ہے۔

اُنھوں نے ایک عام آدمی کی زندگی، اس کی معاشی محتاجی، روزمرہ کی جدوجہد اور داخلی جذبات کو اپنے افسانوں کا بنیاد بنایا۔ مثال کے طور پر ان کے نامور افسانے 'فینسی ہاسپٹل'، 'کینگ سائلون' اور دیگر تحریروں میں چند مخصوص کرداروں کی کہانی بیان کی گئی ہے، لیکن یہ کردار صرف انفرادی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ پورے معاشرے کے مختلف طبقاتی رویوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ 'کینگ سائلون' کا ماحول بھی کسی ایک جگہ کی نشاندہی کے بجائے وسیع تر سماجی صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی لیے یہ افسانے محض چند افراد کی داستان نہیں رہتے بلکہ پورے معاشرتی ڈھانچے اور اجتماعی زندگی کا عکاس بن جاتے ہیں۔ حقیقت نگاری کا یہی وہ اہم پہلو ہے جو غلام عباس کا خاصہ ہے، یعنی ان کے ہاں واقعات کی ترتیب، کرداروں کی تراش خراش اور کہانی کی مجموعی ساخت میں ایک غیر معمولی فنی ضبط اور فکری توازن قائم رہتا ہے۔ منظر نامے کی تعمیر ایک خاص توازن کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ وہ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرتے ہیں اور صرف انہی عناصر کو افسانے میں جگہ دیتے ہیں جو معنویت کی تشکیل میں مددگار ہوں۔ یہی فنی احتیاط ان کے افسانوں کو مربوط، دلکش اور مؤثر بناتی ہے۔

ان کی کہانیوں میں ایک خاموش مگر مسلسل فکری رو موجود رہتی ہے۔ بظاہر واقعات سادہ دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کے پسِ منظر میں انسانی زندگی کے اہم اور بنیادی سوالات موجود ہوتے ہیں۔ غلام عباس قاری کو براہ راست نتائج نہیں دیتے بلکہ اسے غور و فکر کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ یہی وصف ان کے افسانوں کو محض بیانیے سے آگے بڑھا کر فکری ادب کے دائرے میں داخل کرتا ہے۔ ان

کے افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ قاری کے ذہن پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ ہر حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے بعض پہلوؤں کو اشاروں اور قرائن کے ذریعے سامنے لاتے ہیں۔ اس علمی اور فنی رویے کے باعث قاری متن کا فعال حصہ بن جاتا ہے اور معنی کی تشکیل میں شریک محسوس ہوتا ہے۔ اس فکری یکسانیت اور انفرادی اسلوب کی ترجمانی کرتے ہوئے محمد حسن عسکری رقم طراز ہیں:

> "مجموعی حیثیت سے غلام عباس کے افسانے ایک مرکزی وحدت سے خالی نہیں ہیں۔ جیسے پڑھنے والے کو محسوس ہوتے ہیں، البتہ یہ وحدت ذرا دیر میں ہاتھ آتی ہے۔ جہاں غلام عباس کا ایک منفرد لب و لہجہ، ایک منفرد اندازِ بیان اور منفرد وضعی احساس ہے، وہاں ان کے احساسات کی بھی ایک الگ سمت ہے۔"(۱۱)

غلام عباس کے افسانوں میں فرد کو درپیش سماجی، معاشی اور انتظامی دباؤ کی مختلف صورتیں نہایت گہرائی کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔ وہ ان مسائل کو براہِ راست تنقید یا خطابت کے بجائے کرداروں کے اعمال، رویوں اور حالات کے ذریعے نمایاں کرتے ہیں۔ ان کے افسانے معاشرتی ناہمواریوں، انسانی کمزوریوں، اخلاقی تضادات اور سماجی رویوں کی حقیقت پسندانہ تصویر پیش کرتے ہیں۔ غلام عباس کا فنی امتیاز یہ ہے کہ وہ روزمرہ زندگی کے معمولی واقعات سے ایسے سماجی حقائق اخذ کرتے ہیں جو وسیع تر معاشرتی شعور کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا افسانوی ادب نہ صرف اپنے عہد کی معاشرتی حقیقتوں کی عکاسی کرتا ہے بلکہ قاری کو سماجی ڈھانچے، انسانی رویوں اور معاشرتی مسائل کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ اس حوالے سے 'آنندی'، 'حمام میں'، 'اوور کوٹ'، 'گھومتا ہوا مکان' اور 'کتبہ' اہم افسانے ہیں۔ آپ کسی مخصوص نظریے کے تابع نہیں رہے اور خود کو کسی ادبی تحریک یا گروہ سے وابستہ نہیں کیا۔ ذاتی زندگی کی محرومیوں کی نمائش نہیں کی، بلکہ غلام عباس متانت اور باریک بینی کو اپنے افسانے میں اس کا فارمولا درج کر کے بجائے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارے تضادات کو ہمارے سامنے لا کر لاتعلقی سے مسکرانے لگتے ہیں۔

سماجی شعور سے مراد معاشرے میں موجود مسائل، تضادات، ناہمواریوں اور انسانی رویوں کا ادراک اور ان کے بارے میں فکری آگہی ہے۔ ادب میں سماجی شعور اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ادیب اپنی ذات کے دائرے سے نکل کر اجتماعی زندگی کے مسائل کو محسوس کرتا ہے اور انہیں فنی پیرائے میں پیش کرتا ہے۔ غلام عباس کے افسانوں میں سماجی شعور ایک بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے بیشتر افسانے معاشرے کے مختلف طبقات، ان کے مسائل اور ان کے باہمی تعلقات کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ سماجی حقیقتوں کو محض بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے پسِ منظر میں موجود اسباب اور نتائج کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ غلام عباس کے سماجی شعور کی ایک غالب جہت طبقاتی ناہمواری اور وسائل کی غیر مساوی تقسیم کا بے لاگ مشاہدہ ہے۔ ان کے افسانوں میں یہ بات بارہا سامنے آتی ہے کہ معاشی تفاوت اور طاقت کی ناہموار تقسیم کس طرح انسانی رشتوں کی ساخت، اخلاقی اقدار اور فرد کے باطنی وجود کو متاثر کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ معاشرے کا متوسط اور نچلا طبقہ، جو ان ناہمواریوں سے سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، ان کے تخلیقی سفر کا بنیادی مرکز بنتا ہے۔

ان کی سماجی بصیرت کا ایک بنیادی اور عمیق پہلو یہ ہے کہ وہ فرد کی محرومیوں کو صرف اس کا شخصی یا انفرادی معاملہ نہیں گردانتے، بلکہ انہیں ایک ناقص معاشی و سماجی ساخت کے اثر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے کردار اکثر و بیشتر اپنے وجود کی داخلی کشمکش کے ساتھ ساتھ ان بیرونی معروضی حالات کے نرغے میں نظر آتے ہیں جن کی تشکیل پورا سماجی نظام کرتا ہے۔ اسی لیے ان کی کہانیوں

میں انسان اور اس کے سماج کا تعلق الگ تھلگ رہنے کے بجائے باہم پیوست اور مربوط دکھائی دیتا ہے۔ غلام عباس کے افسانوی مجموعوں کا مطالعہ یہ عیاں کرتا ہے کہ ان کی فکری جدوجہد کسی ایک محدود موضوع یا جامد نظریے کی پابند نہیں رہی۔ اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے موضوعات میں ورائٹی اور تنوع آتا گیا، مگر ان کے بنیادی فکری روئے میں ایک مسلسل توازن اور پختگی قائم رہی۔ یہی فکری تسلسل ان کے مختلف ادوار کے مجموعوں کو باہم جوڑ کر ان کی افسانہ نگاری کو ایک باطنی وحدت فراہم کرتا ہے۔ بظاہر 'آنندی'، 'جاڑے کی چاندنی' اور 'کن رس' الگ الگ زمانوں کی نمائندگی کرتے ہیں، مگر فکری گہرائی میں یہ انسان اور اس کے سماجی شعور کی ارتقائی سطحوں کے مختلف مظاہر ہیں۔

'آنندی' کے افسانوں میں غلام عباس کی بنیادی فنکارانہ توجہ سماجی ساخت، اجتماعی رویوں اور طبقاتی ناہمواریوں کی نقاب کشائی پر مرکوز نظر آتی ہے۔ یہاں وہ ایک ایسے حقیقت پسند مشاہدہ کار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں جو معاشرتی نظم وضبط کے بظاہر پرسکون چہرے کے پیچھے چھپے ہوئے تضادات اور الجھنوں کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کے برعکس، 'جاڑے کی چاندنی' میں افسانہ نگار کی توجہ کا مرکز ظاہری دنیا کے بجائے انسان کا باطن اور اس کی داخلی کیفیات بن جاتی ہیں۔ اگرچہ سماجی حقیقت نگاری کا عنصر یہاں بھی پوری شدت سے موجود رہتا ہے، لیکن اس کا اظہار نسبتاً نفسیاتی، تحلیلی اور باریک بینی کی سطح پر ہوتا ہے۔ جب ہم 'کن رس' تک پہنچتے ہیں تو غلام عباس کا افسانوی شعور مزید وسیع اور تہہ دار روپ دھار لیتا ہے۔ یہاں فرد اور اس کا معاشرہ دو الگ دھارے نہیں رہتے بلکہ ایک دوسرے میں جذب ہو کر زندگی کے گہرے اور آفاقی سوالات کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ان کہانیوں میں انسانی وجود، جبر، داخلی کشمکش اور زیست کی معنویت جیسے موضوعات زیادہ سنجیدگی سے ابھرتے ہیں۔ مصنف صرف مسائل کو گنوانے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ انسانی وجود کے پس پردہ چھپی حقیقتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ غلام عباس کے افسانوی مجموعوں کی ایک بڑی انفرادیت یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کو کسی حتمی اخلاقی نتیجے یا جامد صداقت کے طور پر پیش نہیں کرتے۔ ان کے ہاں زندگی مسلسل سوالات، ارتقاء اور تجسس کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے قاری کو بنے بنائے نتائج دینے کے بجائے خود سوچنے اور معنی کی تلاش میں متحرک کرتے ہیں۔

سماجی ساخت کا ظاہری جائزہ ہے، 'جاڑے کی چاندنی' انسانی باطن کا سفر ہے، اور 'کن رس' انسان و زندگی کے باہمی تعلق کی آفاقی تفہیم ہے۔ یہی مسلسل فکری ربط غلام عباس کی افسانہ نگاری کو اُردو ادب کی دنیا میں ایک ممتاز اور لافانی مقام عطا کرتا ہے۔ 'افسانہ اور کوٹ' اور 'اوور کوٹ' جیسے افسانے ان کے عمیق فنکارانہ شعور کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں، جن میں کردار صرف انفرادی وجود نہیں رکھتے بلکہ اپنے دور کے معاشی و سماجی جبر کے ترجمان بن جاتے ہیں۔ عورت کے موضوعات بھی ان کے افسانوں کا ایک اہم محور ہیں۔ 'آنندی' میں ہی کیسی، 'بہروپیا' اور 'سایہ' جیسے افسانوں میں عورت کے مختلف سماجی رویوں، اس کے مسائل اور اس کی جدوجہد کی عکاسی کی گئی ہے۔ غلام عباس نے عورت کے مسائل کو جذباتی مبالغے کے بجائے انتہائی متوازن اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے، جس سے ان کی حقیقت نگاری کی معنویت اور پائیداری مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ موضوع اور حقیقت نگاری کے اعتبار سے 'آنندی' مجموعہ اُردو افسانے کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مجموعے کا مرکزی افسانہ 'آنندی' ہے، جس نے غلام عباس کو ایک منفرد شناخت عطا کی اور انہیں اپنے دور کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں شامل کر دیا۔ اس کہانی کی اثر انگیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 'آنندی' کا نام آتے ہی غلام عباس کا نام ذہن میں ابھرتا ہے، اور یہ افسانہ ان کے سماجی شعور اور حقیقت نگارانہ اسلوب کا شاہکار قرار پاتا ہے۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو 'آنندی' معاشرتی ڈھانچے کی ظاہری ساخت کو سمجھنے کا سفر ہے، 'جاڑے کی چاندنی' انسانی جذبات اور باطنی احساسات کی گہرائیوں تک رسائی کا مرحلہ ہے، اور 'کن رس' انسان، معاشرے اور زندگی کے باہمی تعلق کی

وسعتوں کو سمجھنے کا آئینہ دار ہے۔ یہی تسلسل اور فکری ربط غلام عباس کے افسانوی مجموعوں کو ایک مربوط ادبی کائنات میں تبدیل کرتا ہے اور ان کی افسانہ نگاری کو اُردو ادب کی تاریخ میں ایک منفرد اور لافانی مقام عطا کرتا ہے۔ 'افسانہ اور کوٹ' اور 'اوور کوٹ' غلام عباس کے اعلیٰ فنکارانہ شعور کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں۔ ان افسانوں میں کردار محض انفرادی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اپنے عہد کے معاشی و سماجی حالات کے ترجمان بن کر ابھرتے ہیں۔ غلام عباس انسانی خامیوں اور کمزوریوں کو محض اخلاقی تنقید کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے پسِ منظر میں کام کرنے والے معاشی و سماجی دباؤ کو اجاگر کرتے ہیں، اسی لیے ان کے کردار قاری میں نفرت کے بجائے ہمدردی اور ادراک پیدا کرتے ہیں۔

عورت کے مسائل سے متعلق موضوعات بھی ان کی افسانہ نگاری کا ایک اہم محور ہیں۔ 'آنندی' میں ہی کیسی، 'بہروپیا'، 'سایہ' اور 'پتہ جڑ' جیسے افسانوں میں عورت کے مختلف سماجی رویوں، اس کی جدوجہد اور مظلومیت کی عکس بندی کی گئی ہے۔ غلام عباس نے عورت کے مسائل کو جذباتی مبالغے اور نعرے بازی کے بجائے انتہائی متوازن اور حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے، جس سے ان کے فن میں سماجی شعور اور حقیقت نگاری کی اہمیت مزید نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ موضوع اور حقیقت نگاری کے اعتبار سے افسانوی مجموعہ 'آنندی' اُردو ادب میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا شاہکار افسانہ 'آنندی' ہے، جس نے غلام عباس کو اُردو افسانے میں ایک منفرد اور دائمی شناخت عطا کی۔ اس افسانے نے نہ صرف ان کی فنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا بلکہ انہیں اپنے عہد کے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں شامل کر دیا۔ اس کہانی کی اثر انگیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 'آنندی' کا ذکر آتے ہی غلام عباس کا نام ذہن میں ابھرتا ہے۔ یہ افسانہ ان کی فنکارانہ بصیرت، سماجی شعور اور حقیقت پسندانہ اسلوب کی بہترین مثال ہے۔ اس میں ایک مخصوص کردار اور ماحول کے ذریعے اجتماعی معاشرتی رویوں اور تضادات کی عکاسی کی گئی ہے۔ طوائف کے حساس موضوع کو اُنھوں نے انسانی اور سماجی تناظر میں پیش کر کے اس افسانے کو ایک اعلیٰ ادبی مقام عطا کیا ہے۔ 'آنندی' کی شہرت اور اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رام لعل رقم طراز ہیں:

> "چند برس ہوئے ایک کہانی شائع ہوئی 'آنندی' جس نے عباس کے لیے یکایک اُردو کے بڑے افسانہ نگاروں میں جگہ پیدا کر دی۔" (۱۲)

افسانہ 'آنندی' سماجی منافقت کے خلاف ایک علامتی احتجاج کے طور پر سامنے آتا ہے۔ بظاہر یہ کہانی طوائفوں کی بستی کو شہر سے باہر منتقل کرنے کا ایک واقعہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے پسِ منظر میں پورے سماج کی منافقت اور دوہرے اخلاقی معیار کا تصویر موجود ہے۔ افسانے میں شہر کے معززین اخلاقی اصلاح کے نام پر طوائفوں کے محلے کو شہر سے باہر منتقل کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ بظاہر یہ قدم معاشرتی اصلاح کے لیے اٹھایا جاتا ہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہی نیا علاقہ تجارتی، معاشی اور سماجی سرگرمیوں کا نیا مرکز بن جاتا ہے۔ یوں ایک ایسا تضاد سامنے آتا ہے جس سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ جو معاشرہ جن برائیوں کے خلاف ظاہری آواز اٹھاتا ہے، درحقیقت ان کی بقا میں خود بھی برابر کا شریک ہوتا ہے۔

غلام عباس نے اس افسانے میں کسی ایک کردار کو براہِ راست مجرم قرار نہیں دیا، بلکہ پورے سماجی ڈھانچے کی منافقت کو علامتی انداز میں بے نقاب کیا ہے۔ یہی اس افسانے کی سب سے بڑی فنی کامیابی ہے۔ یہ افسانہ یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا معاشرتی برائیاں صرف چند افراد کی پیدا کردہ ہیں یا پورا سماج ان کے وجود میں آنے کا سبب بنتا ہے۔ اسی حوالے سے افسانہ 'آنندی' حقیقت نگاری اور اعلیٰ سماجی شعور کی ایک لازوال مثال ہے۔ 'آنندی' میں کوئی ایک فرد کہانی کا مرکزی کردار نہیں ہے، بلکہ پورا شہر اور اس کا اجتماعی ماحول کردار بن

کر ابھرتا ہے۔ اس افسانے میں طوائفوں اور معاشرے کے بااثر طبقے کے باہمی رویوں اور منافقت کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

"بلدیہ کا اجلاس زوروں پر ہے، ہال کھچا کھچ بھرا ہوا ہے اور خلافِ معمول ایک ممبر بھی غیر حاضر نہیں۔ بلدیہ کے زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ رنڈیوں کو شہر بدر کیا جائے کیوں کہ ان کا وجود انسانیت، شرافت اور تہذیب کے دامن پر بدنما داغ ہے۔" (۱۳)

اس افسانے کو پیش کرنے میں غلام عباس کا فنی کمال یہ ہے کہ اُنھوں نے جس بنیادی سماجی مسئلے سے کہانی کا آغاز کیا، اس کا اختتام بھی اسی مسئلے کے ایک نئے اور گہرے فکری موڑ پر ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اگلا اقتباس قابلِ غور ہے:

"اس مرتبہ عورتوں کے لیے جو علاقہ منتخب کیا گیا وہ شہر سے بارہ کوس دور تھا۔" (۱۴)

غلام عباس نے افسانہ 'آنندی' میں حقیقت نگاری اور سماجی شعور کا ایسا نادر امتزاج پیش کیا ہے جو محض اپنے عہد تک محدود نہیں رہتا بلکہ عصری حالات پر بھی اتنی ہی سختی سے منطبق ہوتا ہے۔ 'آنندی' کی فکری بنظر آئندہ ادوار کے لیے ایک آئینہ فراہم کرتی ہے جہاں سماج اپنی ہی اخلاقی کمزوریوں کا خود مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اُنھوں نے واقعات کو نعرے بازی کے بغیر جس فطری انداز میں پرویا ہے، وہی اس افسانے کو پائیدار ادبی حیثیت عطا کرتا ہے۔ اسی طرح ان کا نامور افسانہ 'کتبہ' انسانی خود غرضی، محدود سوچ اور نام نہاد سماجی نمائش کا گہرا تنقیدی تجزیہ پیش کرتا ہے۔ اس افسانے میں ایک معمولی کلرک کے کردار کے ذریعے انسانی خواہشات اور سماجی دباؤ کے مختلف پہلوؤں کو بڑی چابک دستی سے ابھارا گیا ہے۔ اس افسانے کا ایک بنیادی اور عمیق فکری پہلو یہ ہے کہ انسان اکثر فلاحی یا خدمتِ خلق کے کام بھی محض اپنے نام، شہرت اور نمائش کے جذباتی تسکین کے لیے انجام دیتا ہے، نہ کہ کسی خالص انسانی ہمدردی کے تحت۔ غلام عباس اس تلخ حقیقت کو کسی فلسفیانہ تقریر کے بجائے نہایت سادہ اور فطری واقعات کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔ یہ افسانہ دراصل اس معاشرتی رویے کی نشاندہی کرتا ہے جس میں اصل مقصد پسِ منظر میں چلا جاتا ہے اور ظاہری نمود و نمائش مرکزی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس حوالے سے مندرجہ ذیل اقتباس قابلِ توجہ ہے:

"شریف حسین جب سنگِ مرمر کے ٹکڑے پر اپنا نام لکھا ہوا دیکھتا ہے تو اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی۔" (۱۵)

افسانے کا مرکزی کردار اس فریب اور وہم میں جیتا ہے کہ اس کتبے کی بدولت وہ ایک دن اپنے مکان کے دروازے پر اپنی شناخت رقم کرے گا، مگر یہ حسرت ہی رہ جاتی ہے۔ کہانی کا اختتامی منظر انتہائی رقت انگیز اور فکری معنویت کا حامل ہے:

"کتبے پر باپ کا نام دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ بڑی محبت کے عالم میں اس کی خطاطی اور نقش و نگار دیکھتا رہا، پھر اچانک ایک بات سوجھی جس نے اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا کر دی، اگلے روز وہ اس کتبے کو سنگ تراش کے پاس لے گیا اور اس کی عبارت میں ترمیم کروا کر اسی شام اپنے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔" (۱۶)

باپ کی وفات کے بعد اس کی قبر پر کتبہ نصب کر کے اس نے ایک نیا فریب ایجاد کر دیا۔

دراصل یہ اقتباس اس نفسیاتی اور معاشرتی المیے کی نشاندہی کرتی ہے جہاں انسان اپنی تاحیات ادھوری خواہشات اور طبقاتی محرومیوں کا ازالہ مصنوعی ذرائع سے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ غلام عباس نے بڑی باریک بینی سے دکھایا ہے کہ کس طرح ایک عام فرد اپنے داخلی فریب کو قائم رکھنے کے لیے زندگی بھر ایک وہم کا سہارا لیتا ہے اور بالآخر موت کے بعد بھی اس ظاہری نمود و نمائش اور سماجی وقار کے خول سے آزاد نہیں ہو پاتا۔ یہ رویہ محض ایک انفرادی عمل نہیں بلکہ پورے معاشرتی نظام کی اس نفسیات کا عکس ہے جہاں حقیقی انسانی وجود سے زیادہ ظاہری علامتوں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ حمام میں 'غلام عباس کا ایک ایسا شاہکار افسانہ ہے جس میں انسانی نفسیات اور سماجی رویوں کو غایت درجے کی شائستگی اور فنکارانہ انداز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ کہانی کا ماحول بظاہر محدود ہے، لیکن اس محدود فضا میں بھی انسانی کرداروں کی مختلف جہتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ یہاں انسان اپنی باطنی شناخت اور معاشرتی مقام کے پسِ منظر میں اپنی مختلف کمزوریوں اور خواہشات کا حامل دکھائی دیتا ہے۔ غلام عباس نے اس حساس موضوع کو انتہائی شائستگی، متانت اور فنی توازن کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا افسانہ کسی قسم کی سنسنی خیزی یا غیر ضروری تفصیل کا شکار نہیں ہوتا۔ اس افسانے میں حقیقت نگاری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس کے کردار حقیقی محسوس ہوتے ہیں اور ان کے رویے زندگی کے عام تجربات سے کامل مطابقت رکھتے ہیں۔ غلام عباس نے انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کو نہایت باریک بینی سے پیش کیا ہے۔

غلام عباس کا دوسرا افسانوی مجموعہ 'جاڑے کی چاندنی' ان کی فنی پختگی اور اسلوب کی شائستگی کا بہترین مظہر ہے۔ اس مجموعے کے افسانوں میں موضوعات کا تنوع، کرداروں کی فکری گہرائی اور اسلوب کی سنجیدگی پہلے مجموعے کے مقابلے میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اس مجموعے میں شامل افسانے معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ سماجی شعور اور حقیقت نگاری کو بھی نیا موضوع بناتے ہیں۔ یہاں حقیقت نگاری محض سطحی یا بیرونی حالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ انسانی باطن کی دنیا تک پھیل جاتی ہے۔ خصوصاً 'اوور کوٹ'، 'فینسی ہاسپٹل'، 'کینگ سائلون'، 'بھور' اور 'اس کی بیوی' جیسے افسانے اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ غلام عباس انسانی زندگی کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان افسانوں میں سماجی شعور اور حقیقت نگاری ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

'اوور کوٹ' افسانے کو معاشرتی دباؤ اور شناخت کے مسئلے کے طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ غلام عباس کا ایک نہایت اہم افسانہ ہے جس میں انسانی شناخت، سماجی دباؤ اور معاشی محرومی کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار اپنی اصل معاشی حیثیت کو چھپانے اور سماجی وقار کو برقرار رکھنے کی کوشش میں مسلسل نفسیاتی کشمکش کا شکار رہتا ہے۔

یہ افسانہ اس سماجی حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر انسان کی پہچان اس کی اصل شخصیت کے بجائے اس کے لباس، دولت اور ظاہری سماجی حیثیت سے متعین کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے فرد اپنی اصل شناخت کے بجائے ایک مصنوعی شخصیت اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ غلام عباس نے اس سنگین مسئلے کو غایت درجے کی شائستگی مگر مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ افسانہ قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ سماجی معیار اور ظاہری نمود و نمائش کس حد تک انسانی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ اس مجموعے کے افسانوں کے حوالے سے ن۔م۔ راشد رقم طراز ہیں:

> "غلام عباس ایک پر امن اور پر آہنگ گھریلو زندگی کا فنکار ہے جس میں بعض
> دفعہ ایسے غلط سر بھی الجھنے لگتے ہیں جو اس آہنگ کو برہم کر دیتے ہیں۔

خوبصورت ہنستے بستے گھروندوں سے اجڑ جانے میں پیارے پیارے بچے ناگہانی زندگی کے گرداب میں بھی محبوس ہو جاتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے غریب اور بد نصیب عورتوں کے لیے بھی پر امن زندگی کا خواہاں رہتا ہے جو اخلاقی یا معاشرتی نقطۂ نظر سے ہے۔"(۱۷)

مجموعہ 'جاڑے کی چاندنی' کا افسانہ 'اوور کوٹ' غلام عباس کی اہم ترین تخلیقات میں شمار ہوتا ہے۔ اس افسانے میں اوور کوٹ اور فینسی ہیڈر کٹنگ سیلون محض اشیا یا مقامات نہیں ہیں، بلکہ یہ سماجی رویوں اور طبقاتی تضادات کی علامت بن کر سامنے آتے ہیں۔ غلام عباس نے ان کے ذریعے معاشرے میں موجود ظاہری نمود، معاشی فرق اور انسانی قدروں کے زوال کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی مجموعے کا افسانہ 'بھور' بھی عورت کی زندگی اور معاشرتی حالات کو مختلف زاویے سے بیان کرتا ہے، جو 'آنندی' کے موضوع سے الگ ہونے کے باوجود سماجی حقیقتوں سے جڑا ہوا ہے۔ 'سائے والا ایک' منفرد طرز کا افسانہ ہے جس میں ایک قاضی صاحب کے کردار کے ذریعے انسانی رویوں اور معاشرتی تضادات کو نمایاں کیا گیا ہے، جبکہ 'بکرے' بابو کی ڈائری میں عورت کی زندگی اور اس سے متعلق مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مجموعی طور پر اس مجموعے کے افسانے مختلف موضوعات کے حامل ہیں، لیکن ان سب میں انسانی زندگی، سماجی رویوں اور معاشرتی کمزوریوں کا گہرا شعور نمایاں نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے 'اوور کوٹ' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"نوجوان کے گلو بند کے نیچے نکٹائی یا کالر کجا سرے سے تھا ہی نہیں اور اوور کوٹ اتارا گیا تو نیچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر نکلا جس میں جابجا سوراخ تھے ان سوراخوں اور سویٹر سے بھی بوسیدہ اور میلا کچیلا بنیان نظر آرہا تھا"(۱۸)

غلام عباس کے تیسرے افسانوی مجموعے 'کن رس' میں مجموعی طور پر نو افسانے شامل ہیں، جو انسانی فطرت، سماجی مسائل اور معاشرتی تضادات کا گہرا شعور پیش کرتے ہیں۔ اس کا مرکزی افسانہ 'کن رس' انسان کی باطنی کمزوریوں، خواہشات اور اخلاقی تضادات کو غایت درجے کی فنکارانہ گہرائی سے آشکار کرتا ہے، جہاں خیر و شر کے باہمی تصادم سے انسانی رویوں کی پیچیدگیاں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ 'بازارِ حسن' کے پسِ منظر میں لکھی گئی یہ کہانی اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ انسان جذباتی دباؤ میں ایسے فیصلے کر بیٹھتا ہے جو اس کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح 'دھنک' میں مذہبی اختلافات اور قومی یکجہتی کے موضوعات کو رواداری اور فکری وسعت کے تناظر میں دیکھا گیا ہے، جبکہ افسانہ 'انار' میں فرقہ وارانہ کشمکش اور معاشرتی تعصبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ 'یہ پری چہرہ لوگ' میں ان لوگوں کے منافقانہ رویوں کو بے نقاب کیا گیا ہے جو خود کو شریف کہلوانا پسند کرتے ہیں مگر دوسروں کی برائیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ غلام عباس کی مجموعی فکری بصیرت، انسانی باطن کی غواصی اور ان تمام افسانوی مجموعوں کے تتمّے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انوار احمد رقم طراز ہیں:

"غلام عباس کی بصیرت جس طرح ایک فرد کے بطونِ ذات کا احاطہ کرتی ہے، اسی طرح ان کی کہانیوں میں اجتماعی زندگی کے دکھ سکھ، محرومیاں، تلخیاں اور خوشیاں کنکریوں کی طرح رقصاں اور پروانوں کی طرح سلگتی دکھائی دیتی ہیں۔"

(۱۹)

بہروپیا' ان دو بچوں کی کہانی ہے جو کسی دن تک ایک بہروپیے کا تعاقب کرتے ہیں اور وہ بہروپیا لگاتار نیا روپ دھار لیتا ہے، حتیٰ کہ وہ تنگ آ کر اس کا اصل روپ دیکھنے کی خواہش ترک کر دیتے ہیں۔ غلام عباس نے اس افسانے میں بچوں کے بچپن، حیرت اور تجسس کو غایت درجے کے دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کہانی بظاہر بچوں کی معصوم خواہشات اور تجسس کا احاطہ کرتی ہے، مگر اس کے پسِ منظر میں انسانی وجود کی اس عالمگیر تلاش کو نمایاں کیا گیا ہے جہاں انسان ہمیشہ ظاہری روپ کے پیچھے چھپی اصل حقیقت اور انسانی شخصیت کی بنیاد کو کھوجنے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنف نے اس پیچیدہ نفسیاتی حقیقت کو غایت درجے کی سادگی، فطری گفتگو اور ڈرامائی انداز میں قلمبند کیا ہے جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے:

"اسلم آؤ اس بہروپیے کا پیچھا کریں اور دیکھیں کہ وہ کہاں رہتا ہے اس کا گھر کیسا ہے، اس کا کوئی نہ کوئی میک اپ روم تو ہو گا شاید اس تک ہماری رسائی ہو جائے۔ پھر میں یہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی اصلیت میں کیسا لگتا ہے۔"(۲۰)

افسانہ 'عمران' میں غلام عباس نے عام انسان کی زندگی کے مسائل اور مشکلات کو موضوع بنایا ہے۔ اس افسانے میں ایک غریب شخص کی گھر بنانے کی خواہش اور اس مقصد کے حصول میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ افسانہ محض ایک فرد کی کہانی نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جو معاشی مشکلات اور سماجی حالات کے باعث اپنی بنیادی خواہشات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ غلام عباس کے تین افسانوی مجموعے 'آنندی'، 'جاڑے کی چاندنی' اور 'کن رس' اُردو افسانے کا اہم سرمایہ ہیں۔ ان افسانوی مجموعوں میں سادہ طرزِ بیان، فنی انفرادیت اور انسانی زندگی کا گہرا شعور نمایاں ہے، جس نے انہیں اُردو ادب میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔ ہر تخلیق کار کے ہاں کچھ مخصوص موضوعات اور فکری پہلو موجود ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے منفرد انداز میں پیش کرتا ہے۔ اگرچہ غلام عباس کسی خاص نظریے یا مقصد کے تحت لکھنے کے قائل نہیں تھے، تاہم ان کے افسانوں کے موضوعات قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اُنھوں نے عام زندگی کے مسائل، انسانی تجربات اور روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا، جس سے ان کے افسانوں میں موضوعاتی تنوع اور گہری معنویت پیدا ہوتی ہے۔

عام انسان کی زندگی کو موضوع بنانا بظاہر آسان محسوس ہوتا ہے، لیکن اس کے مسائل اور تجربات کو گہرے مشاہدے اور فنی شعور کے ساتھ پیش کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ غلام عباس نے اپنی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو اپنے افسانوں کی بنیاد بنایا، اسی لیے ان کی تحریروں میں عام آدمی کی زندگی حقیقی رنگ میں نمایاں ہوتی ہے۔ ان کے افسانے صرف اپنے عہد کے مسائل کی عکاسی نہیں کرتے بلکہ انسانی زندگی سے وابستہ ایسے پہلوؤں کو بھی سامنے لاتے ہیں جو آج بھی معنویت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات وقت گزرنے کے باوجود اپنی اہمیت اور اثر انگیزی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے ن۔م۔ راشد، غلام عباس کی حقیقت نگاری اور ان کے خلیق کردہ کرداری ماحول کے فکری تجزیے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بقول ن۔م۔ راشد:

"غلام عباس محض جھوٹے آدمی کا داستان گو ہے اسے کبھی وہ شہر کے کسی دور افتادہ محلے میں جا ڈھونڈتا ہے اور کبھی کسی گلیوں سے جھانکتا ہے۔ سب سے پہلے اس کے گرد و پیش کی تصویر کھینچتا ہے کیونکہ اپنے آپ میں سرمست نہیں بلکہ ایسے ماحول کا لازمی جزو ہے۔"(۲۱)

غلام عباس کی تحریروں میں حقیقت پسندی، معاشرتی ادراک اور گہرے سماجی شعور کی تابناک جھلکیاں نمایاں ہیں۔ ان کی افسانہ نگاری محض داستان گوئی یا واقعہ نگاری کا نام نہیں، بلکہ انسانی زندگی کی تلخ حقیقتوں، سماجی ناہمواریوں، اخلاقی زوال اور طبقاتی تضادات کی ایک متوازن اور فنکارانہ عکاسی ہے۔ غلام عباس نے اپنے افسانوں میں عام انسان کے روزمرہ مسائل، معاشی محرومیوں، اندرونی خواہشات اور نفسیاتی کشمکش کو جس شائستہ اور اثر انگیز انداز میں پیش کیا ہے، اس نے ان کے فن کو اپنے عہد کی محدودیت سے نکال کر آفاقی معنویت عطا کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات محض وقتی نعرہ بازی یا سطحی خبط نہیں بنیں، بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے فکری و ادبی رہنمائی کا دیرپا ذریعہ ثابت ہوئیں۔ غلام عباس کے افسانوی فن کا سب سے اہم پہلو ان کا غیر جانبدارانہ مگر گہرا سماجی شعور ہے۔ اُنھوں نے معاشرے میں موجود طبقاتی تفاوت، استحصالی رویوں، اخلاقی انحطاط اور انسانی بے حسی کو اپنے فن کا بنیادی موضوع بنایا۔ تاہم ان کے ہاں یہ سماجی تنقید یا اصلاحی جذبہ کسی براہِ راست خطابت، ڈرامائیت یا نعرے بازی کا روپ دھارنے کے بجائے کہانی کے فطری بہاؤ میں گھل مل جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں طبقاتی فرق محض معاشی اعداد و شمار کے طور پر سامنے نہیں آتا، بلکہ کرداروں کی نفسیات، ان کی سوچ اور ان کے روزمرہ طرزِ عمل کے ذریعے مجسم ہوتا ہے۔

ان کی کہانیوں میں عام آدمی کی محرومیاں، متوسط طبقے کی مجبوریاں اور کمزور طبقات کی بے بسی بار بار سامنے آتی ہے۔ لیکن وہ محض مسائل کی نشاندہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ انسانی وقار، ضبط اور اخلاقی اقدار کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ غلام عباس کی حقیقت نگاری ان کے فن کی بنیادی شناخت ہے؛ وہ زندگی کو نہ تو کسی جذباتیت پر مبنی رومانی رنگ میں پیش کرتے ہیں اور نہ ہی کسی مایوسی کی انتہا تک لے جاتے ہیں، بلکہ ان کے افسانوں میں حقیقت اپنی تمام تر تلخیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ اپنی فطری شکل میں سامنے آتی ہے۔ ان کے کردار اپنے ماحول سے الگ تھلگ نہیں ہیں بلکہ اسی کے پروردہ ہیں، اسی لیے ان کی خوشیاں، غم، امیدیں اور شکست سب حقیقت کے قریب تر معلوم ہوتی ہیں۔ ان کا فن وقتی اور سیاسی نعروں سے بلند ہو کر مستقل انسانی معنویت اختیار کر لیتا ہے۔ اُنھوں نے اُردو افسانے کو ایک ایسا توازن، شائستگی اور فکری گہرائی عطا کی جو اُردو ادب کا دائمی اور قیمتی سرمایہ ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ جمال آرا نظامی، مختصر افسانے کا ارتقاء، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۰

۲۔ وقار عظیم پروفیسر، فن افسانہ نگاری، اُردو مرکز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص: ۸

۳۔ شہزاد منظر، غلام عباس ایک مطالعہ، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱، ص: ۳۲

۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ اور افسانہ نگار، تنقیدی مطالعہ، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص: ۳۳

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، "غلام عباس"، مشمولہ غلام عباس: فکر و فن، ایم خالد فیاض، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۰ء، ص ۲۰:

۶۔ ایم خالد فیاض، غلام عباس: فکر و فن، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۱۰

۷۔ شہزاد منظر، علامتی افسانے میں ابلاغ کا مسئلہ، منظر پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۰، ص: ۱۴۹

۸۔ انور سدید، اُردو افسانہ عہد بہ عہد، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص, ۱۵۲

۹۔ احمد ندیم قاسمی، غلام عباس ایک بڑا افسانہ نگار، حریت کراچی غیر مطبوعہ مضمون، ۱۹۸۲، ص ۲۱۳

10۔ انور سدید، اردو افسانے کی کروٹیں، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۹۱، ص ۱۴۵۔
11۔ محمد حسن عسکری، انسان اور آدمی، علی گڑھ بک ڈپو، ۱۹۷۶، ص ۱۶۴

۱۲۔ محمد حمید شاہد، غلام عباس: تنقیدی مطالعہ اور منتخب افسانے، پرنٹرز، ہاشمز لرننگ ڈاٹ، جہلم، پاکستان، ص:۱۱
۱۳۔ غلام عباس، آنندی، مشمولہ زندگی نقاب چہرے، انٹرنیشنل پریس، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص:۱۸۸
۱۴۔ ایضاً، ص:۱۹۰
۱۵۔ غلام عباس، مشمولہ، غلام عباس کے بے مثال افسانے، ص:۱۹۲
۱۶۔ غلام عباس، کتبہ، ایضاً، ص:۱۹۵
۱۷۔ ن۔م۔ راشد، مجموعہ: جاڑے کی چاندنی، مشمولہ غلام عباس: فکر و فن، ص:۲۱۰
۱۸۔ غلام عباس، اوور کوٹ،، مشمولہ جاڑے کی چاندنی، مکتبہ جدید، لاہور، ص:۴۵
۱۹۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ، تحقیق و تنقید، بیکن بکس، ملتان، ص:۱۱۲
۲۰۔ غلام عباس، بہروپیا، مشمولہ کن رس، نیا ادارہ، لاہور، ص:۸۷
۲۱۔ ن۔م۔ راشد، غلام عباس کی افسانہ نگاری مشمولہ مقالاتِ راشد، لاہور، ص:۱۳۴

## References in Roman Script:

1. Jamal Ara Nizami, Mukhtasar Afsane Ka Irtiqa, Aligarh, 1985, p. 20.
2. Waqar Azeem, Professor, Fan-e-Afsana Nigari, Urdu Markaz, Lahore, 1991, p. 8.
3. Shahzad Manzar, Ghulam Abbas: Ek Mutala'a, Maghribi Pakistan Urdu Academy, Lahore, 1991, p. 32.
4. Saleem Akhtar, Dr., Afsana Aur Afsana Nigar: Tanqeedi Mutala'a, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 1991, p. 33.
5. Jameel Jalibi, Dr., "Ghulam Abbas," mashmoola Ghulam Abbas: Fikr-o-Fun, M. Khalid Fayyaz, Naqshgar Publications, Rawalpindi, 2010, p. 20.
6. M. Khalid Fayyaz, Ghulam Abbas: Fikr-o-Fun, Naqshgar Publications, Rawalpindi, 2010, p. 110.
7. Shahzad Manzar, Alamati Afsane Mein Iblagh Ka Masla, Manzar Publications, Karachi, 1990, p. 149.
8. Anwar Sadeed, Dr,urdu afsana ahad -baahad , Maktaba Aaliya, Lahore, 1991,p,152
9. Ahmad Nadeem Qasmi, Ghulam Abbas: Aik Bara Afsana Nigar, Hurriyat, Karachi, Ghair Matbua Mazmoon, 1982, p. 213.
10. Anwar Sadeed, Urdu Afsanay Ki Karwatain, Maktaba Aaliya, Lahore, 1991, p. 145.
11. Muhammad Hasan Askari, Insan Aur Aadmi, Aligarh Book Depot, 1976, p. 164
12. Muhammad Hameed Shahid, Ghulam Abbas: Tanqeedi Mutala'a Aur Muntakhab Afsane, Hashim's Learning Dot Printers, Jhelum, Pakistan, p. 11.

13. Ghulam Abbas, “Anandi,” mashmoola Zindagi Naqab Chehre, International Press, Karachi, 1960, p. 188.
14. Ibid., p. 190.
15. Ghulam Abbas, mashmoola Ghulam Abbas Ke Be-Misal Afsane, p. 192.
16. Ghulam Abbas, “Katba,” Ibid., p. 195.
17. N. M. Rashid, “Majmua: Jaare Ki Chandni,” mashmoola Ghulam Abbas: Fikr-o-Fun, p. 210.
18. Ghulam Abbas, “Overcoat,” mashmoola Jaare Ki Chandni, Maktaba-e-Jadeed, Lahore, p. 45.
19. Anwar Ahmad, Dr., Urdu Afsana: Tehqeeq-o-Tanqeed, Beacon Books, Multan, p. 112.
20. Ghulam Abbas, “Behroopia,” mashmoola Kan Ras, Naya Idara, Lahore, p. 78.
21. N. M. Rashid, “Ghulam Abbas Ki Afsana Nigari,” mashmoola Maqalat-e-Rashid, Lahore, p. 134.